عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

صَفر ۱۴۲۴ھ / اپریل ۲۰۰۳ء

زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر میاں سعید اللہ جان دامت برکاتہم

بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ، بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری۔

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے۔

سالانہ بدل اشتراک: ۱۴۰ روپے + ڈاک خرچ

خط و کتابت کا پتہ: مکان p-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد

ابتدائیہ

لوگ ایک قصّہ سناتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک طالبعلم کسی استاد کے پاس گیا اور عرض کیا ''حضرت میں تجوید کے ساتھ قرآن مجید سیکھنا چاہتا ہوں۔ استاد صاحب نے پوچھا کہ '' بھئی کچھ پڑھے لکھے بھی ہو؟'' شاگرد نے جواباً عرض کیا کہ کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ استاد صاحب نے کچھ وقت (مثلاً سال، دو سال) متعین کر کے فرمایا کہ اتنے وقت میں سیکھ جاؤ گے۔ اتنے میں ایک دوسرا طالبعلم آ گیا اور اس نے بھی عرض کیا کہ قرآن مجید تجوید کے ساتھ سیکھنا چاہتا ہوں۔ استاد صاحب نے پوچھا کہ کچھ پڑھا سیکھا بھی ہے؟ اس نے جواباً عرض کیا کہ مختلف استادوں سے (بغیر تجوید کے) ناظرہ پڑھا ہوا ہے۔ اس طالبعلم کو استاد صاحب نے پہلے طالبعلم سے دُگنا وقت بتایا۔ اسے حیرت ہوئی کہ پہلے آدمی نے تو کچھ بھی نہیں سیکھا ہوا تھا اسے تو آدھا وقت بتایا اور مجھے دگنا بتایا۔ استاد صاحب نے فرمایا کہ آپ نے تو غلط سیکھا ہوا ہے اور آدھا وقت اس غلط سیکھے ہوئے کی توڑ پھوڑ میں لگے گا اور اس دوسرے نے کچھ سیکھا ہوا ہی نہیں لہٰذا وہ آدھے وقت میں ہمارے رخ پر آ جائے گا۔

بالکل یہی صورتحال تصوف کے بارے میں بھی ہے۔ لوگوں نے مختلف غیر محقق تصوف کے دعویداروں، مجذوبوں، محض تفریح طبع کے لیے تصوف کے مضامین میں طبع آزمائی کرنے والے ادیبوں اور مضامین تصوف جاننے والے فلسفیوں نیز غیر معیاری تصوف کی کتابوں میں وقت گزارا ہوا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اکثر بہت دور جا گرے ہوتے ہیں۔ کچھ سیکھنے کے لیے آئیں تو شیخ و مربی کے لیے اچھا خاصا دردسر بنتے ہیں۔ بے تکا چلنے اور غیر محتاط مطالعہ کرنے سے ایک بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ ان میں خود رائی پیدا ہو جاتی

ہے، جو کہ حصول فیض اور ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ کیونکہ خودرائی اور کبر معاصی شہوانیہ سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، چنانچہ فرشتوں کا استاد عزازیل شیطان لعین اسی مرض سے بنا۔ یہ بات جدید تعلیم والے ذہین لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے۔

جو حضرات سیدھے سادے اور خام مال کی طرح ہوں اور تربیت کے لیے آئیں تو بہت جلد مربی اور شیخ کے رخ پر آ جاتے ہیں۔ تصوف تو سراسر عملی چیز ہے، اس میں تو محنت مجاہدہ کر کے باطن سے رذائل مثل کبر، حسد، لالچ، کینہ وغیرہ کے دور کرنے ہوتے ہیں اور فضائل مثل توبہ، توکل، اللہ تعالیٰ کا دھیان اور اخلاص وغیرہ سیکھنے ہوتے ہیں۔ کئی حضرات مشائخ کی نگرانی میں تربیت لیتے ہوئے اور مجاہدات کرتے ہوئے ان حقائق کو حاصل کر لیتے ہیں، اور بعض اوقات ان کو اصطلاحات تصوف اور نکات تصوف اور مضامین اسرار و رموز کا کچھ پتہ نہیں ہوتا، لیکن عملی چیزیں حاصل کر کے کامل ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور کئی لوگوں کی معلومات تو بہت زیادہ ہوتی ہیں لیکن عملی لحاظ سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا ہوتا۔ چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک بزرگ کی شیخ بوعلی سینا سے ملاقات ہوئی۔ ان بزرگ نے بوعلی سینا کے بارے میں فرمایا کہ ”اخلاق نمی دارد“ یعنی اس میں اخلاق نہیں ہیں۔ یہ بات شیخ بوعلی سینا کو پہنچی تو اس نے علم الاخلاق پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھ کر ان بزرگ کو بھیجی۔ اس پر انھوں نے فرمایا کہ ”من چرا می گویم که اخلاق نمی داند، من می گویم که اخلاق نمی دارد“ (میں کب کہتا ہوں کہ اخلاق جانتا نہیں ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اخلاق رکھتا نہیں ہے۔)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی
ضبط کردہ: حضرت شیر حسن مدظلہ

کوہاٹ میں بیان

خطبہ ماثورہ: میرے عزیزو کائنات کے اندر جتنی بھی مخلوقات ہیں ان تمام مخلوقات میں سب سے اونچی ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ذوات عالیہ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو تمام مخلوقات میں شرف وفضلیت اور بڑائی عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے چنا۔ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ٥ یعنی بنایا میں نے تم کو خاص اپنے واسطے۔ اور بعض کے بارے میں ہے اَخْلَصْنٰهُ کہ میں نے ان کو اپنے لیے خاص کرلیا۔ اللہ تعالیٰ کے سب سے چہیتے، سب سے پیارے اور سب سے اونچے برگزیدہ انسان جو ہیں یہ انبیاء کرام اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ جس طور پر انبیاء کی ذوات عالیہ ذاتی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی محبوب چہیتی اور پیاری ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فضل اور عطا کے محل اور اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کو سمیٹنے والے بھی انبیاء کرام ہیں۔ انبیا علیہم السلام کو جو خیر وبرکت اور عطایا وانعامات دی گئیں، کسی مخلوق کو وہ نہیں دی گئیں۔ جس طور پر انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں، اسی طور پر سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے لینے والے ہیں۔ پیارے کی طرف عطایا کا رخ خود بخود منتقل ہوجاتا ہے۔ جیسے پیارے بچے کو دل چاہتا ہے کہ لقمہ خود نہ کھاؤ بلکہ اس کو کھلاؤ اسی طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر جو فضیلتیں اور انعامات ہیں انبیاء ان میں سے جتنا لے سکتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں بڑی صفت علم کی صفت ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جو ذات اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کی خلقت کی محتاج ہے وہ صفات میں بھی اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اللہ تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا، دماغ دیا، کان دیے، زبان دی، اسی طرح مختلف اعضاء وجوارح دیے، اوران

پیمانوں اور برتنوں میں جو صفات و کمالات ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ صفت گویائی، صفت شنوائی اور صفت بینائی اللہ کی دی ہوئی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسموں کو پیدا کیا اسی طرح ان میں جو کمالات اور استعدادیں رکھی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سب سے بڑی صفت علماء نے صفت علم کو بتایا ہے۔ ہمارے علم کی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں کوئی حیثیت اور حقیقت نہیں ہے۔ جس وقت حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کی ملاقات ہوئی تھی (چونکہ یہ خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کے زمانہ نبوت سے پہلے تھی اور اس وقت نبوت ختم نہیں ہوئی تھی اسلئے حضرت خضرؑ کیلئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ حضرت موسیٰؑ کا اتباع کریں) تو جو علم حضرت موسیٰؑ کے پاس تھا وہ علم حضرت خضرؑ کے پاس نہیں تھا اور جو علم حضرت خضرؑ کے پاس تھا وہ علم حضرت موسیٰؑ کے پاس نہیں تھا لیکن حضرت محمد ﷺ کو وہ محیط علم دیا گیا کہ جو بھی ہو اس کو حضور ﷺ کے علم کے اتباع کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں۔ جیسے حضرت خضرؑ کو حضرت موسیٰؑ کی اتباع اور پیروی لازم نہ تھی تو یہ بات نہیں کہ ہم میں سے بھی کسی کو حضور ﷺ کی اتباع اور آپ کی شریعت کی پیروی لازم نہیں ہوگی، بلکہ حضور ﷺ کی شریعت خاتم الشرائع ہے اور ہمارے لیے کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ حضور ﷺ کی شریعت کو چھوڑ کر اختیار کریں۔ حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ جب دونوں اکھٹے نکلے تو حضرت خضرؑ نے تین کام کیے، ایک یہ کہ کشتی کا تختہ نکالا، دوسرے یہ کہ یہ کہ ایک لڑکے کو قتل کیا تیسرے ایک دیوار جو گرنے والی تھی اس کو سیدھا کیا تینوں کام شریعت موسوی میں غلط اور نا جائز تھے، دونوں جس کشتی میں سوار تھے اس میں ایک چڑیا آئی اور کشتی میں بیٹھی، چڑیا نے سمندر سے چونچ میں پانی لیا، چڑیا نے اپنے چونچ میں کتنا پانی لیا ہوگا! حضرت خضرؑ حضرت موسیٰؑ کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ آپ کے اور میرے علم کی مثال اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اتنی بھی نہیں جتنا کہ سمندر کے

پانی اور جو اس چڑیا کے چونچ میں ہے، میں نسبت ہے۔ آخر میں ایک آنے والا آتا ہے جس کی شریعت دائمی تھی اور جس کی نبوت ہمہ گیر اور عالمگیر تھی اور ہے۔ ختم نبوت کا مطلب یہ نہیں کہ نبوت ختم ہوگئی، اور حضورﷺ کی نبوت ختم ہوگئی بلکہ اس کے معنیٰ اور مطلب یہ ہیں کہ حضورﷺ کی ذات گرامی کو جو نبوت عطا کی گئی ہے وہ ختم ہونے والی نہیں ہے کہ اس کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت پڑے۔ آپؐ کی نبوت دائمی ہے، جس زمانے میں ہم چل رہے ہیں یا قیامت تک جو زمانہ ہے وہ سب دائرہ نبوت محمد یہ کے اندر ہے حضرت محمد ﷺ کی نبوت قائم و دائم ہے، ہم حضرت محمدﷺ کے زمانہ نبوت کے اندر چل رہے ہیں۔ حضرت محمدﷺ کی نبوت جاری و ساری اور ابدالاباد تک ہے قیامت بھی دور نبوت محمد یہ میں واقع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نئی نبوت کی گنجائش ہی نہیں رکھی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بھی جب قرب قیامت میں تشریف لائیں گے تو اپنی نبوت نہیں چلائیں گے بلکہ حضورﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے وہ حضورﷺ کے امت ہونے کی شان دکھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کی ذات عالیہ کو چنا اور جو کمالات و خوبیاں پچھلے تمام انبیاء کرام کو عطا کی تھیں وہ بھی ساری کی ساری آپ کو عطا کی گئی اور اس سے بڑھ کر بھی دی گئیں، جتنے کمالات و خوبیاں اور اچھائیاں ممکن تھیں وہ اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کی ذات عالی میں جمع کر دیں۔ آپ مجموعہ خوبی و فضائل تھے حضورﷺ کے کمالات و خوبیوں کی ایک نوعیت یہ ہے کہ جس طرح ایک شخص ایک روپیہ لاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ یہ کھرا ہے یا کھوٹا تو پیسہ کا کمال یہ ہے کہ کھرا ہو اسی طرح ایک زمانے میں پونڈ چلا کرتے تھے ایک شخص پونڈ لاتا ہے اور وہ بھی یہ پوچھا ہے کہ یہ کھرا ہے یہ کھوٹا تو اگر پیسہ بھی کھرا اور پونڈ بھی کھرا ہو اور مجھ جیسا شخص کھرے ہونے کی بنیاد پر پیسہ اور پونڈ کو برابر سمجھے تو غلط ہوگا۔ تو جس طرح فضائل اور خوبیاں اولیاء اور انبیاء میں ہیں اور وہ فضائل اور خوبیاں حضورﷺ میں بھی ہیں لیکن جیسے

پیسہ اور پونڈ ایک برابر نہیں اسی طرح حضور ﷺ کے کمالات وفضائل اور باقی انبیاء کرام کے فضائل ایک سطح پر نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر نبوت کو ختم کیا ایسی طرح آپ کی ذات پر خوبیوں کی انتہا کر دی اور کمالات کو ختم کر دیا۔

؎ تو ہے مجموعہ خوبی وسراپائے جمال کونسی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

تمام خوبی ومحبوبی وکمالات حضور ﷺ کی ذات عالی میں ہیں، اور جو کچھ اخلاقِ فاضلہ اور کمالات قرآن میں لفظوں کے لحاظ سے موجود ہیں وہ حضور ﷺ کی ذات میں معنیٰ اور حقیقت کے لحاظ سے موجود ہیں۔ حافظ پورے قرآن کو حفظ کر لیتے ہیں، حفظ معمولی بات نہیں ہمارے ہاں تو لفظ ہوتے ہیں لیکن میرے آقا سید الانبیاء حضور اکرم ﷺ کے ہاں قرآن کے نزول کے ساتھ ہی ہر لفظ اور شوشہ تمام تجلیات اور حقائق کے ساتھ قلب مبارک اور جسم اطہر کے اندر جاری وساری ہو گیا۔ آپ کی ذات عالی مجسد اور مجسم قرآن تھی۔ بجلی کی تار کو ننگا کر کے چھوڑو تو پورے جسم میں کرنٹ چلی جائیگی اسی طرح قرآن اترتا تھا اور حضور ﷺ کے جسم مبارک میں ڈھلتا تھا۔ جو قرآن کو لینا چاہے اور قرآن کو اپنانا چاہے وہ حضرت محمد ﷺ کو لے لے اور اپنا لے۔ حضور ﷺ کا لینا قرآن کا لینا ہے اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو قرآن نہ آتا، کسی کا کلیجہ ہی نہیں تھا اور کسی کی ہمت ہی نہیں تھی کہ تجلیات قرآن، نزول قرآن کے وقت برداشت کر سکے۔ اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو قرآن نہ ہوتا اگر قرآن کو چھوڑ دو گے تو حضور ﷺ کو نہ پاؤ گے۔ لفظ کی شد بد کا نام قرآن کا جاننا نہیں، قرآن کے جاننے کیلئے محمد ﷺ کی حقیقت کو پہچاننا ہوگا جس نے آپ کی ذات عالی سے نکلنے والے طریقوں اور اعمال کو جانا اور برتا وہ قرآن کو جان سکتا ہے۔ زبان پر ہم لفظ آگ بولتے ہیں لیکن ہماری زبان نہیں جلتی کیونکہ آگ کے الفاظ تو موجود ہیں لیکن آگ حقیقت میں موجود نہیں، اگر سچ مچ آگ زبان پر آجائے تو زبان جل جائے گی، اسی طرح

حقیقتِ قرآن کے سمجھنے کیلئے محمد ﷺ ذریعہ ہیں۔ اگر حضرت محمد ﷺ کی ذات عالی کو ایک لمحہ کیلئے قرآن سے علیحدہ کیا جائے تو قرآن حجاب میں چلا جائیگا اور حالت یہ ہوگی کہ

؎ دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

یضلو به کثیرا کا مظہر ہوگا۔ انبیاءؑ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو سر تاج و سردار بنایا۔ کمالات محمدیہ ﷺ میں ایک رخ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ حضورؐ کی نبوت کو دوام بخشیں، دوسرے انبیاء زیادہ سے زیادہ کوئی ہزار یا دو ہزار سال کیلئے آئے۔ یہ خصوصیت حضور ﷺ کی ہے کہ زمان و مکان کے تمام دوائر آپ کی نبوت کے اندر رکھے جہاں بھی اور جس جگہ بھی کوئی انسان یا جن بستا ہے وہ حضور ﷺ کی نبوت کے اندر ہے اور آپؐ کا امتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خصوصی شان کے متعلق فرماتے ہیں،

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (الانبیاء۔۱۰۷)

ترجمہ: اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر۔

پورے عالم کے زمان و مکان کا ہر لمحہ اور ٹکڑا آپؐ کے دائرہ نبوت میں شامل کیا گیا اور ابدالاباد تک کا زمانہ آپ کو دیا گیا۔ قیامت بھی آپؐ کے دورہ نبوت کے اندر واقع ہوگی اور جنت میں داخلہ بھی آپؐ کے دور نبوت میں ہوگا۔ ختم النبوت حضور ﷺ کا وہ تاج اور فخر ہے کہ جس میں کوئی بھی آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ اب یہ ختم النبوت اتنی بڑی بات ہے کہ اس میں تمام کمالات محمدیہ ﷺ سمو دیے گئے ہیں۔ اچھا باپ وہ ہوتا ہے جو اولاد کی تربیت کرتا ہے، ان کو پالتا بھی ہے اور سب کچھ جو اس کا ہوتا ہے وہ ان کے حوالے کرتا ہے کہ اس کو سنبھالو۔ احادیث میں آتا ہے کہ یہ بہتر ہے کہ اولاد کو غنی چھوڑا جائے اس حالت سے کہ ان کے لئے کچھ نہ چھوڑا جائے اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ حضور ﷺ تو ہمارے صلبی باپ تو نہیں قرآن میں آتا ہے۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط

ترجمہ: محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا۔

محمد ﷺ تمہارے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ رسول ہیں اور خاتم النبین ہیں۔ بلکہ آپ تو ہمارے روحانی باپ ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا**وازواجہ امھاتکم** اوران کی بیویاں تمھاری مائیں ہیں۔روحانیت کے لحاظ سے حضور ﷺ نے یہ کوشش کی کہ جن خوبیوں اور کمالات کو لیکرآئے ہیں ان میں کوئی بات ایسی نہ رہے جس کو اس روحانی اولاد کی طرف منتقل نہ کردیں۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حضور ﷺ پر جو اللہ کی طرف سے اترا وہ امت کو نہیں پہنچایا تو وہ جھوٹا ہے اور کذاب ہے۔

حضور ﷺ کو ارشاد خداوندی ہے **یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ط** (المائدہ۔۶۷)

کہ اے رسول پہنچا جو کچھ کہ تجھ پر نازل کیا گیا ہے اور اگر تم نے نہیں پہنچایا تو گویا کہ تو نے رسالت کے حق کو ادا نہیں کیا۔

حضور ﷺ نے پورے کے پورے علم دین اور نظام دین اور فروعات دین کو امت کی طرف منتقل کیا۔دین کو صرف علمی منتقل نہیں کیا بلکہ دین کو عملی شکل میں منتقل کیا اور جس طریقہ سے دین کا علم وعمل امت میں زندہ رہ سکتا ہے اس طریقہ کو بھی امت کی طرف منتقل کیا، یہ نہیں کہ دین وقرآن تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور دین کا پہچانا مغرب یا مشرق یا تمہارے نفسوں کی طرف سے آئے۔اگر کوئی کہے کہ کھجور کے درخت کو برفانی علاقہ میں لگایا جائے یا گندم کو چاول کے برابر پانی دیا جائے تو کیا کھجور کا درخت اُگے گا اور گندم کی فصل پیدا ہو جائے گی؟اسی طرح انبیاءؑ کے علوم واعمال اور طریقوں کے امت کی طرف منتقل کرنے کا بھی خاص طریقہ ہے،اگر ہم اپنی عقل سے ان طریقوں کو رائج کر

دیں تو وہ غلط ہونگے اس میں وہ خیر ونور نہیں ہوگا اگر کسی عارض کی بناء پر کسی موقع پر کبھی فائدہ بھی ہوا اور آپ اس کو قاعدہ کلیہ کے طور پر مقرر کریں تو یہ غلط ہے۔ مثال کے طور پر میں بیمار ہوا اور منہ کے ذریعہ کھانا نہیں کھا سکتا تھا تو ڈاکٹر نے پائپ کے ذریعہ سے ناک سے کھانا کھلایا، کسی بچہ نے دیکھا کہ یہ تو ایک عجیب طریقہ ہے اور اس نے منہ کی بجائے ناک سے دودھ پینا شروع کیا تو یہ سراسر غلط ہوگا اور نہ اس سے فائدہ پہنچے گا۔ اسی طرح جتنے بھی طریقے سنت کو چھوڑ کر رائج ہوں گے ان میں فائدہ حقیقی نہیں ہوگا۔ حضور ﷺ نے پورے کے پورے دین کو امت کی طرف پہنچایا، اس کے لئے کیا کیا صورتیں اختیار کیں جن کو منتقل کیا انہوں نے کیسے سنبھالا اور پھر کیسے انہوں نے منتقل کیا۔ آپؐ نے حجۃ الوداع میں پوری امت کو اکٹھا کیا اور خطاب فرمایا **ھل بلغت** کہ کیا میں نے دین تم لوگوں تک پہنچا دیا؟ سب نے بیک لفظ کیا **بلغت و احسنت** کہ آپ نے پہنچایا اور اچھے طریقہ سے پہنچایا۔ تقریباً سوا لاکھ کا مجمع تھا حضور اقدس ﷺ اونٹ پر سوار تھے لاؤڈ سپیکر نہیں تھا لیکن ہر صحابی حضور ﷺ کی بات کو ایسے سنتا تھا کہ جیسے حضور ﷺ کے روبرو کھڑا ہو۔ اور ہر صحابی کہتا ہے کہ ہم حضور ﷺ کی بات کو اس طرح سن رہے تھے کہ جیسے ہمارے کانوں میں فرما رہے ہیں۔ اصل میں ہم نے لوہے کے آلوں اور مشینوں کو دیکھا ہے روحانی نظام کو نہیں دیکھا ہے۔

فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور ○

ترجمہ: آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں

جب حاجی صاحبان حج پر جاتے ہیں اور مدینہ منورہ حاضری دیتے ہیں تو بزبان حال کہتے ہیں **قد بلغت الرسالة** کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں کسی قسم کی کمی نہیں کی ہے۔ لیکن ہم چھاننی ہیں، ہم نے آپؐ کے پیغام کا حق ادا نہ کیا۔

جیسے اللہ تعالیٰ اپنے ذات عالی کے بارے میں فرماتے ہیں وَمَا قَدَرُ اللہَ حَقَّ قَدْرِہٖ تو اللہ تعالیٰ کے پہنچانے کا جو حق تھا اسکا حق ہم نے ادا نہیں کیا، تو میں حضور اقدس ﷺ کے بارے میں کہونگا کہ خدا کی قسم ہم نے حضرت محمد ﷺ جیسی ذات عالی کا بھی حق ادا نہیں کیا۔ آپؐ سردار ہیں پیاروں کے پیارے ہیں کہیں دین کو پہنچانے میں پاؤں زخمی ہو رہے ہیں، کہیں دانت مبارک شہید ہو رہے ہیں، جس کے خون کا ایک قطرہ عرش و کرسی سے زیادہ قیمتی ہے وہ دین کے پہنچانے میں متعدد بار گرایا گیا ہے اور اس کے لئے آپ کو قلبی، روحانی اور جسمانی اذیتیں دی گئیں کہ اعمال نبوت اور علم نبوت امت کی طرف منتقل ہوں۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

پتھر کھائے اور پھول برسائے زہر کھلانے والی کو معاف کیا، چکی کا پاٹ جس نے آپؐ پر گرایا تھا اس کو معاف کیا۔ کبھی بھی آپ ﷺ نے اپنی ذات کیلئے بدلہ نہیں لیا ،آپ کی وفات بھی ایک یہودیہ کے زہر کھلانے کی وجہ سے واقع ہوئی۔ آپؐ تو امام الانبیاء تھے آپؐ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پیارے تھے، آپؐ نے جو مشقتیں اٹھائیں وہ ہمارے لئے تھیں۔ جو شفقت آپؐ کے سینہ مبارک میں انڈیل دی گئی تھی اس کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ اگر دنیا کے تمام انسانوں کا ایک ہی بچہ ہو تو ان سب کی مجموعی مامتا میں بھی اتنی محبت اپنے اس اکلوتے بچہ کے لئے نہیں ہوگی جتنی حضور اقدس ﷺ کے سینے میں ایک ایک امتی کیلئے تھی اور ہے۔ **الطالع لی** کہنے والے، کہ اچھوں کا تو ہر ایک ہوتا ہے بروں کیلئے بھی تو کوئی ہو۔ تو فرمایا کہ بروں کا میں ہوں۔ **شفیع المذنبین**، گناہگاروں کے شفاعت کرنے والے۔ عزت والوں، اچھوں اور نیکوں کی تو ہر ایک عزت کرتا ہے اور بھلائی والوں کی بھلائی بیان کرتے ہیں، لیکن آپؐ گناہ گاروں کے آسرا ہیں، فرمایا کہ میری شفاعت کا

محل اہل کبائر ہیں، اور یہ اس لئے تھا کہ امت پر جو شفقت آپ ؐ کے دل میں تھی اس نے بے قرار کر دیا تھا کہ آپ ؐ کے امتیوں میں سے ایک بھی جہنم میں نہ جائے۔ جہنم بہت سخت جگہ ہے، اس کی آگ کی تپش ۷۰ سال مسافت تک جاتی ہے اور اتنے فاصلہ پر ہر چیز کو جھلسا سکتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے۔ اگر کسی کا اکلوتا بیٹا ہو اور باپ پر یہ بات کھل جائے کہ یہ بیٹا اگر فلاں جگہ جائیگا اور وہاں اس کو کوئی پکڑ لیگا اور آگ میں ڈال دیگا اور میں اس کو نہ بچا سکونگا تو کیا وہ اس کو وہاں جانے دے گا؟ تو حضور اقدس ﷺ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ لوگ جو گناہ و فسق و فجور کر رہے ہیں، وہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال رہے ہیں، تو کیا حضور اقدس ﷺ کو اس حالت میں چین آ سکتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر میرے ہاتھ میں مہلک زہر ہو تو کیا میں اس کو کسی کو دونگا کہ اس کو کھاؤ۔ تو حضور اقدس ﷺ کفر و شرک اور فسق و فجور کو امت کیلئے اس مہلک زہر سے زیادہ برا سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ اے لوگو! تم کو کیا ہو گیا کہ میں تمھاری پشتیں پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے نکالتا ہوں اور تم لوگ اس پر پتنگوں کی طرح گرتے ہو۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مجھے وہ اذیتیں دی گئی ہیں کہ دنیا جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک واقعہ ہے کہ ذوالمجاز ایک جگہ ہے وہاں پر منڈی لگتی تھی ایک صحابی جن کا نام حارث المحاربی ہے، جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ ذوالمجاز کی منڈی میں ایک شخص پھر رہے ہیں اور ہر شخص سے کہتے ہیں کہ **ھل ادلکم علی کلمۃ الخیر** کہ میں تم کو ایک خیر کا کلمہ نہ بتادوں پھر فرماتے ہیں کہ **قولو لا الہ الا اللہ تفلحو** (اللہ کا اقرار کرو فلاح پاؤں گے) ۔ ساتھ ساتھ ایک سرخ چہرے والا شخص (ابولہب آپ کا چچا) بھی چل رہا ہے اور کہتا ہے کہ اس شخص کی بات نہ مانو یہ جادوگر ہے اور ساتھ ساتھ اوباش لڑکے بھی جمع کیے ہوئے تھے کہ کوئی پتھر مار رہا ہے اور کوئی گالی دے رہا ہے اور ایک عورت آپ ؐ کے راستہ میں کانٹے بچھا

رہی ہے اور کوئی نعوذ اللہ چہرہ اطہر پر تھوک پھینک رہا ہے (ہائے وہ چہرہ اقدس تھوک کے قابل!) بعض سر مبارک پر گندگی پھینک رہے ہیں لیکن یہ اللہ کا بندہ ایسی حالت میں بھی ایک ایک شخص سے نہایت دلسوزی سے بات کرر ہا ہے۔ اتنے میں ایک پتھر آتا ہے جو آپ ﷺ کی جبین مبارک پر لگتا ہے آپؐ بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں، کوئی اٹھانے والا نہیں کچھ دیر کے بعد ایک لڑکی آتی ہے وہ اپنے ڈوپٹے کو جلاتی ہے اور راکھ کو زخم میں بھرتی ہے اور پانی کا چھینٹا دیتی ہے، آپؐ ہوش میں آتے ہیں اور فرماتے ہیں اے میری بیٹی! غم نہ کر تیرا باپ حق پر ہے اور یہ دین دنیا کے مشرقی اور مغربی کناروں تک پھیلے گا۔ کوئی عزت کے ساتھ اور کوئی ذلت کے ساتھ اس کو قبول کرے گا۔ یہ ساری مشقتیں کس لئے تھیں؟ یہ سب محنت اور مشقتیں اس غم وفکر اور دھن و کڑھن کی وجہ سے تھیں جو آپؐ کے دل میں امت کے لئے تھی۔ آپؐ بار بار ابو جہل اور ابولہب کے دروازہ پر تشریف لے گئے، آپؐ کے سر پر اُونٹ کی اوجھڑی رکھ دی گئی۔ آپؐ نے معاف کر دیا، جس طرح بچہ گندگی کرتا ہے ماں صاف کرتی ہے اور گلے سے لگاتی ہے تو حضور ﷺ کی جو محبت ہر امتی کیلئے تھی وہ تو ماں کی محبت سے کئی گناہ زیادہ تھی۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆

عمرؓ! کسی بھی مصیبت کی وجہ سے دین اسلام کی خدمت اور حکم ربّانی کی تعمیل کل پر ملتوی مت کرنا۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

ماخوذ از قول العزیز

حضرت مفتی حسنؒ کی ایک کرامت

حضرت مفتی صاحبؒ کی علالت کا سلسلہ قریباً پچیس تیس سال سے جاری تھا۔ ان کے پاؤں پر ایک سمّی قسم کا پھوڑا ہو گیا تھا جس کے اثرات ساری پنڈلی میں سرایت کر گئے تھے اور تمام ٹانگ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کا یا بھڑوں کا چھتہ ہوتا ہے۔ ایسی خطرناک صورت ہو گئی تھی کہ حضرت کسی کو دیکھنے نہیں دیتے تھے۔ ایک دو مرتبہ احقر (مولانا عزیز الرحمٰن ہزرویؒ) کو پاؤں دیکھنے کا اتفاق ہو گیا۔ بندہ کے سامنے پٹی بدلی گئی مگر اتنی طویل علالت کے عرصے میں آپ نے یہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ کسی شدید تکلیف میں مبتلا ہیں۔ آپ ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے تھے ملنے والے اور جان پہچان والے جب کبھی اس سلسلے میں بیمار پرسی کرتے تو ہمیشہ یہی جواب ملتا کہ الحمد للہ اچھا ہوں۔ جب زخم اور سمّی اثرات اوپر کو بڑھنے لگے تو اس وقت مخلصین احباب کے اصرار پر آپ ٹانگ کٹوانے پر راضی ہو گئے۔ وہ زمانہ سردار عبدالرّب صاحب نشتر کی گورنری کا تھا جو حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلس میں اخلاص کے ساتھ آمد و رفت رکھتے تھے۔ مرض کی بنا پر ٹانگ کے کاٹے جانے کا آپریشن کرنے کا واقعہ آپ کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے۔ ڈاکٹروں نے حسب دستور آپ کو ایسی دوائیں دینی چاہیں کہ جس سے تکلیف کا احساس کم ہو مگر آپ نے دوا لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ کر آپ اپنا کام شروع کریں۔ عمر پچھتر سال کے لگ بھگ، ڈاکٹر صاحبان بڑے پریشان تھے لیکن حضرت کے سامنے بات کرنے کی کس کو مجال تھی۔ طوعاً و کرہاً ایک ٹیکہ لگا کر ڈاکٹروں نے ران مبارک کاٹنی شروع کر دی۔

اس میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا آپریشن کے وقت ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کا

ہاتھ حضرت کی نبض پر تھا۔ ان کا بیان ہے کہ حیرت ہے کہ آپریشن کے شروع سے لے کر اختتام تک نبض کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا اور آپریشن کے بعد شریانوں کے کٹنے سے جو شدید درد پیدا ہوتا ہے جس کی شدت کا کوئی فرد مقابلہ نہیں کرسکتا مگر حضرت جس بشاشت کے ساتھ آپریشن روم میں داخل ہوئے تھے اسی کیفیت کے ساتھ واپس ہوئے، جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ آپریشن کے دوران میں اور نہ اس کے بعد حضرت کی زبان سے اُف نکلی، نہ کسی وقت کی نماز قضا ہوئی بلکہ اس شب میں نماز تہجد بھی آپ سے ناغہ نہیں ہوئی۔ لوگ اس پر حیران تھے۔

اس ضمن میں فرمایا کہ ''جب میری ٹانگ کاٹی گئی تو ڈاکٹروں کو خطرہ تھا کہ شاید میں جانبر نہ ہوسکوں ڈاکٹر امیر الدّین صاحب بھی گھبرائے ہوئے تھے اور ٹانگ کاٹ رہے تھے۔ اور ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب ٹانکے لگا رہے تھے اور کرنل ڈاکٹر ضیاء اللہ صاحب نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ میں بھی پریشان ہوں گا مگر میں نے کہا کہ میرے لیے تو آج یوم عید ہے کیونکہ اس میں رضائے حق اور لقائے حق کا جلوہ نظر آرہا تھا''۔ یہ سکون وانبساط صرف اہل اللہ کا شیوہ ہے۔

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ جب حضرت کی عیادت کو تشریف لائے تو آپ نے اس استقامت کا (جو کہ ٹانگ کٹنے کے وقت تھی) راز پوچھا۔ آپ نے فرمایا ''میں اس وقت اس تکلیف کے اجر جزیل کی خوشی میں جو متشکل ہوکر سامنے آگیا تھا ایسا محو ہوا کہ مجھے پتہ نہ چلا کہ کیا ہو رہا ہے''۔ یہ عین الیقین کا مقام تھا کہ تکلیف کا احساس تک نہ ہوا۔ اسی سلسلے میں ایک دفعہ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ ''میں اپنی کٹی ہوئی ٹانگ میں درد کی ٹیس محسوس کرتا ہوں، تعجب کی بات ہے کہ درد کا محل موجود نہیں مگر احساس موجود ہے''۔ اسی ضمن میں ایک دفعہ مجلس مین فرمایا کہ ''والدین اپنی اولاد کو تکلیف میں نہیں دیکھ

سکتے۔اولاد کی تربیت میں کتنی ہی مرتبہ وہ اولاد کو سزا بھی دیتے ہیں۔پھر امتحان پر امتحان دلواتے ہیں۔کیا اولاد امتحان دینے سے انکار کردے، کہ اس مشقت و مصیبت میں کیوں مبتلا کیا جا رہا ہے؟ پھر باغ کے مالی کی مثال بیان کی کہ" مالی باغ میں کس محنت سے پھل اور پھول لگاتا ہے، ان کی تربیت اور نشو نما کے لیے کبھی قینچی سے انہیں تراشتا بھی ہے، یہ سب کچھ کرتے وقت کیا مالی اپنے ہاتھ سے ان لگائے ہوئے پودوں پر ظلم کرتا ہے؟ یا انھیں تکلیف دینا مقصود ہوتا ہے؟ یہی مثال حق تعالیٰ کی ہے جنھیں اپنی مخلوق والدین سے کروڑوں درجہ پیاری ہے، تو پھر بھلا وہ کب برداشت کریں گے کہ ان کی مخلوق کسی زحمت یا تکلیف میں مبتلا ہو **ما یفعل للّٰہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم و کان اللّٰہ شاکرًا علیمًا** (سورہ نساء) یعنی، اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں اگر تم سپاس گذاری کرو اور حق کو مانو اور یقین رکھو، اور اللہ تعالیٰ بڑے قدر کرنے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض لوگ قیامت کے دن اتنے اعمال لے کر آئیں گے جیسا کہ ملکِ عرب کے پہاڑ، لیکن وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ! کیا یہ لوگ نمازی ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔نمازی بھی ہوگے، روزہ دار بھی ہوں گے بلکہ تہجد گذار ہوں گے لیکن جب دنیا کی کوئی چیز (دولت عزت وغیرہ) ان کے سامنے آجائے تو ایک دم اس پر کود پڑتے ہیں (جائز و نا جائز کی بھی پروانہیں کرتے)۔

(فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۱۵۰)

☆☆☆☆☆

ماخوذ از احیاء العلوم

تنبیہ برائے علمائے کرام

یوں تو مہلکات (نفس کی ہلاک کرنے والی صفات) بھی بے شمار ہیں اور منجیات (نفس کی نجات دلانے والی صفات) بھی، لیکن اگر دس ہلاک کرنے والی اور دس نجات دلانے والی صفات پر نظر رکھی جائے تو بہت کافی ہے۔ وہ دس مہلکات یہ ہیں بخل، کبر، عجب، ریاء، حسد، شدت غضب، حرص طعام، کثرت شہوت، مال کی محبت، اور جاہ کی محبت، امید ہے کہ جو شخص ان چیزوں سے بچا رہے گا وہ تمام برائیوں سے محفوظ رہے گا۔ اور دس منجیات یہ ہیں، گناہوں پر ندامت، مصائب پر صبر، قضاء پر رضا، نعمتوں پر شکر، خوف ورجا میں اعتدال، دنیا میں زہد، اعمال میں اخلاص، مخلوق خدا کے ساتھ اچھا برتاؤ، اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے لیے خشوع۔ اگر یہ تمام بیس باتیں سالک (مرید) کی کاپی میں درج ہوں تو علاج کچھ مشکل نہیں رہتا، اور علاج کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت میں ان بیس باتوں میں سے ایک میں فکر کرے، جب ایک بری بات دور ہو جائے تو اس پر خط کھینچ دے اور اس کے متعلق فکر کرنا چھوڑ دے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس برائی سے نجات عطا فرمائی، اور اس کے قلب کو صاف کیا، اور یہ بات جانے کہ میں نے اپنے قلب کو اس صفت سے محض اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے پاک کیا ہے، اگر اس نے یہ معاملہ میرے نفس پر چھوڑ دیا ہوتا تو میں اپنے قلب سے معمولی رذیلہ بھی مٹانے پر قادر نہ ہوتا، اس کے بعد باقی امور کی طرف متوجہ ہو، ایک ایک میں فکر کرے، اسے دور کرے، اور کاپی میں اس پر خط کھینچ دے، یہاں تک کہ تمام رذائل سے پاک ہو جائے، پھر منجیات کے سلسلے میں اسی طرح کرے کہ ایک ایک عمدہ صفت اختیار کرے، اور اس پر خط کھینچتا جائے، یہاں تک کہ تمام اوصاف حسنہ حاصل ہو جائیں، مستعد مرید کا یہی طور ہونا

چاہیے۔

جو لوگ صلحاء میں شمار کیے جاتے ہیں انھیں اپنی کاپیوں میں ظاہری گناہ بھی لکھ لینے چاہئیں، جیسے مشتبہ مال کھانا، غیبت، چغلی، خصومت، خودستائی، دشمنوں کی عداوت میں مبالغہ، دوستوں کی دوستی میں افراط، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنے میں خلق خدا کے ساتھ مداہنت (چشم پوشی) وغیرہ اکثر وہ لوگ بھی ان گناہوں سے بچ نہیں پاتے جنھیں صلحاء کہا جاتا ہے، حالانکہ جب تک آدمی کے اعضاء گناہوں سے پاک نہیں ہوتے وہ اپنے قلب کی تعمیر و تطہیر میں مصروف نہیں ہوسکتا، پھر مختلف آدمیوں پر مختلف قسم کے گناہوں کا غلبہ ہوتا ہے، ہر شخص پر ایک ہی قسم کے معاصی غالب نہیں ہوتے اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ ان ہی گناہوں میں فکر کرے جو اس پر غالب ہیں، ان معاصی میں فکر نہ کرے جن سے وہ دور ہے۔ مثال کے طور پر اکثر متقی پرہیز گار علماء وعظ و تدریس کے ذریعے خودنمائی، خودستائی، یا نام و نمود کی خواہش سے محفوظ نہیں ہوتے، یہ بھی ایک زبردست فتنہ ہے، اور جو شخص اس فتنہ میں مبتلاء ہو جاتا ہے وہ نجات نہیں پاتا، صرف صدیقین ہی اس سے محفوظ رہتے ہیں، ورنہ عام علمائے امت کا حال تو یہ ہے کہ اگر ان کا خطاب لوگوں میں مقبول اور ان کے قلوب پر اثر انداز ہونے والا ہو تو وہ فخر و مسرت سے پھولے نہیں سماتے، اور عُجب و خود پسندی میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ امور مہلکات میں سے ہیں، اور اگر لوگ ان کا کلام قبول نہیں کرتے تو پھر ان کے غصہ، نفرت اور حسد کا عالم قابل دید ہوتا ہے، حالانکہ اگر لوگ کسی دوسرے عالم کا کلام ٹھکراتے ہیں تو اس سے ذرا غصہ نہیں آتا، صرف اپنا کلام ٹھکرانے پر زیادہ غصہ آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اس پر یہ امر ملتبس کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرا غصہ اس لیے نہیں ہے کہ لوگوں نے تیرا کلام ٹھکرایا ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ انھوں نے حق کو ٹھکرایا ہے، اور اسے قبول کرنے سے انکار

کیا ہے، ظاہر ہے وہ شخص شیطان کے فریب میں آگیا، ورنہ اس کے اور دوسرے عالم کے کلام میں کیا فرق ہے، وہ بھی دین کی تبلیغ کرتا ہے اور یہ بھی، پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو اپنے کلام کے ٹھکرائے جانے پر تو غصہ آتا ہے اور دوسرے عالم کے ٹھکرائے جانے پر غصہ نہیں آتا، بلکہ خوشی ہوتی ہے پھر وہ شخص اپنے کلام کی مقبولیت پر صرف اترانے اور خوش ہونے پر ہی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ زائد مقبولیت حاصل کرنے کے لیے تصنع اور تکلف سے کام لیتا ہے اور الفاظ کی ادائیگی کو خوبصورت بنانے میں وقت ضائع کرتا ہے، مقصد یہ نہیں ہوتا کہ لوگوں کے دلوں پر اس کا کلام اثر انداز ہو، اور وہ دلجمعی کے ساتھ سن کر قبول کرسکیں، بلکہ اسے تعریف کی طلب ہوتی ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تکلف کرنے والے پسند نہیں ہیں، شیطان یہاں بھی اسے بہکانے آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھے تحسین الفاظ کی حرص اس لیے ہے کہ تو حق کو پھیلا سکے، لوگوں کے دلوں میں دین کی باتیں اچھے انداز میں اثر کریں اور اللہ کا کلمہ بلند ہو، حالانکہ اگر یہ بات ہوتی تو اسے دوسرے علماء کی تعریف سے بھی خوشی ہوتی، جس طرح اپنی تعریف سے ہوتی ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے علماء کی مقبولیت سے اس کے سینے پر سانپ لوٹتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ شخص مبتلائے فریب، اور حریص عزّ وجاہ ہے، اگرچہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ دین سے غرض رکھتا ہے۔

پھر جب یہ صفات اس کے دل میں پیدا ہوتی ہیں تو ظاہر پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، چنانچہ اگر اس کے سامنے دو ایسے شخص ہوں جن میں ایک اس کا احترام کرتا ہو، اس کے علم وفضل کا معتقد ہو اور دوسرا شخص وہ ہو جو اس کے کسی حریف کا معتقد اور اس کا احترام کرنے والا ہو تو اسے پہلے آدمی سے مل کر زیادہ خوشی ہوتی ہے اور وہ مجلس میں زیادہ تر اسی کی طرف توجہ دیتا ہے اور اسی کا احترام کرتا ہے خواہ دوسرا شخص بھی اس کے احترام اور عزت افزائی کا مستحق ہو۔ بعض اوقات ان علماء کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ سوکنوں کی طرح

لڑتے ہیں، اور انھیں یہ گوارا نہیں ہوتا کہ ان کا کوئی شاگرد کسی دوسرے عالم کے پاس جائے، اگر چہ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کا شاگرد دوسرے عالم سے بھی استفادہ کرتا ہے اور دین حاصل کرتا ہے۔

ان تمام امور کا مبداء وہی صفات مہلکہ ہیں جن کے متعلق عالم یہ گمان رکھتا ہے کہ میں ان سے محفوظ ہوں، حالانکہ وہ فریب خوردہ ہے، یہ علامتیں اس کے دل میں پائی جانے والی صفات پر واضح دلالت کرتی ہیں، عالم کا فتنہ بڑا زبردست ہے، یہ شخص یا تو اپنے تقویٰ وطہارت سے بادشاہ بن جاتا ہے یا اپنی حرص وطمع سے ہلاک ہوجاتا ہے، جو شخص اپنے دل میں یہ صفات محسوس کرے اس پر گوشہ نشینی، عزلت اور گمنامی واجب ہے، اس کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ لوگ اس سے مسائل بھی دریافت نہ کریں۔ ایک دور وہ بھی تھا کہ مسجد نبوی میں ایسے صحابہ کا اجتماع ہوتا تھا جو فتویٰ دینے کے اہل تھے، لیکن جب ان سے کوئی فتویٰ دریافت کیا جاتا تو وہ ایک دوسرے پر ٹال دیتے، اور اگر کوئی فتویٰ دے بھی دیتا تو وہ یہ سوچا کرتا تھا کہ کاش کوئی دوسرا مجھے اس مشقت سے بچالیتا۔ عزلت کے وقت آدمی کو اپنی ہی جنس کے شیاطین سے احتیاط کرنی چاہئے، وہ یہ کہتے ہیں کہ تم گوشہ نشینی اختیار مت کرو، اس لیے کہ اگر عزلت کا دروازہ کھول دیا گیا تو علوم مٹ جائیں گے، اگر کوئی شخص اس عذر کے ساتھ تجھے عزلت سے روکنے کی کوشش کرے تو تجھے کہنا چاہئے کہ دین اسلام مجھ سے بے نیاز ہے، اسے میری ضرورت نہیں، یہ دین مجھ سے پہلے بھی آباد تھا اور میرے بعد بھی آباد رہے گا، میرے مرنے سے ارکان اسلام منہدم نہیں ہوں گے، دین اسلام مجھ سے تو مستغنی ہے، لیکن میں خود اپنے قلب کی اصلاح سے مستغنی نہیں ہوں، یہ کہنا کہ اس سے علم مٹ جائے گا ایک بے بنیاد اور غلط خیال ہے، اور جہالت پر دلالت کرتا ہے، بالفرض اگر لوگ قید خانے میں ڈال دیے جائیں اور زنجیروں میں جکڑ دیے جائیں

اوران سے کہا جائے کہ اگر انھوں نے علم حاصل کیا تو انھیں آگ میں ڈال دیا جائے گا تو وہ زنجیریں توڑ کر اور قید خانے کی دیوریں پھاند کر نکل جائیں اور جاہ وریاست کی محبت انھیں تحصیل علم میں مشغول رکھے، جب تک شیطان انسان کو ریاست واقتدار کی تمنا دلاتا رہے گا علم کا دروازہ بند نہیں ہوگا، اور یہ ظاہر ہے کہ شیطان کبھی بھی اپنے کام میں سستی نہیں کرتا، اس طرح علوم کو میری عزلت سے خطرہ نہیں ہے۔ علوم ان لوگوں کی وجہ سے پھیلیں گے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے

اِنَّ اللّٰہَ یُئویِّدُ ھَذَاا لِدِّیْنَ بِاَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَھُمْ وَاِنَّ اللّٰہَ لَیُوَیِّدُ ھَذَا الدِّیْنَ بِاالرَّجُلِ الْفَاجِرِ

اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید ایسے لوگوں سے کرے گا جن کو دین میں کچھ بہرہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کرے گا۔

عالم کو ان تلبیسات سے فریب نہیں کھانا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ وہ مخلوق کے ساتھ اختلاط میں مشغول ہو جائے، اور اس کے دل میں جاہ وثنا کی محبت پروان چڑھنے لگے، مال وجاہ کی محبت نفاق کا بیج ہے، سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے،

حُبُّ الْجَاہِ وَالْمَالِ یُنْبِتُ النِّفَاقِ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلِ

جاہ اور مال کی محبت دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزی اگاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے،

مَاذِئْبَانِ ضَارِیَانِ اُرْسِلَا فِیْ زَرِیْبَۃِ غَنَمٍ بِاَکْثَرَ اِفْسَادًا فِیْنَامِنْ حُبِّ الْجَاہِ وَالْمَالِ فِیْ دِیْنِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ

دو خونخوار بھیڑئے جو کسی گلہ میں چھوڑ دیے جائیں اتنے نقصان کا باعث نہیں

ہوتے جتنا نقصان مال وجاہ کی محبت سے مرد مؤمن کے دین کو لاحق ہوتا ہے۔

جاہ کی محبت دل سے اس وقت تک زائل نہیں ہوتی جب تک لوگوں سے کنارہ کشی اختیار نہ کی جائے، اور ان کے ساتھ ملنے سے اجتناب نہ کیا جائے، اور وہ تمام چیزیں ترک نہ کی جائیں جو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت اور جاہ بڑھاتی ہیں، عالم کو اپنے دل کی ان مخفی صفات کی جستجو کرنی چاہئے اور ان سے بچنے کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ یہ ایک متقی اور پرہیزگار عالم کا فریضہ ہے۔

☆☆☆☆☆

حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کے (دل کے) اندھے پن کو دور کر دے۔ اور اس کی (عبرت کی) آنکھیں کھول دے (جو یہ چاہتا ہو وہ غور سے سن لے کہ) جو شخص دنیا میں جتنی رغبت کرتا ہے اور جیسی لمبی لمبی امیدیں باندھتا ہے اسی کے بقدر حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو اندھا کر دیتے ہیں۔ اور جو شخص دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو مختصر کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کو بغیر سیکھے علم عطا فرماتے ہیں۔ اور بغیر کسی کے دکھائے راستہ بتاتے ہیں۔ عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن کے لئے سلطنت، قتل اور جبر سے قائم ہوگی۔ بخل وفخر سے ان کو غنا حاصل ہوگا۔ خواہشات کے اتباع سے لوگوں سے دلوں میں ان کی محبت ہوگی۔ تم میں سے جو شخص ایسے زمانہ کو پائے اور اس وقت فقر پر صبر کرے حالانکہ وہ غنی ہو سکتا ہے، وہ لوگوں کی دشمنی ایسے زمانہ میں برداشت کرے، حالانکہ وہ (ان کی خواہشات کے تابع ہو کر) ان کے دلوں میں محبت پیدا کر سکتا ہے۔ وہ ذلت پر قناعت کرے حالانکہ وہ (لوگوں کی موافقت کر کے) عزت پا سکتا ہے۔ لیکن وہ شخص ان چیزوں کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے برداشت کرتا ہے تو اس کو پچاس (۵۰) صدیقین کا ثواب ہوگا۔ (فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۱۵۱)

ازسیاحت ماجدی
فصیح الدین اشرف

سیاحت ماجدی کا ایک اقتباس

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ برصغیر کے مایہ ناز ادیب اور صحافی ہو گذرے ہیں۔ آپ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مسترشد خاص تھے۔ دہریت کی خاردار وادی سے گزر کر حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان ہی کے ایما پر دنیائے اسلام کی قابل ذکر تفسیر، تفسیر ماجدی (اردو، انگریزی) تصنیف کی۔ ہمارے شیخ و مربی حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ کا ان سے خاص تعلق تھا۔ آپ جب پاکستان کی سیاحت پر آئے تو اس کا تذکرہ سیاحت ماجدی کے نام سے لکھا۔ زیر نظر اقتباس مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی اسی کتاب سے لیا گیا ہے۔ (ادارہ)

''قیام لاہور کی آخری رات تھی، برابر سوچتا رہا کہ دیکھئے اب پھر بھی کبھی آنا نصیب ہوگا...... مولوی محمد اشرف خان ایم اے (اُستاد پشاور یونیورسٹی) سے ناظرین صدق کچھ واقف ہو چکے ہیں۔ بیچارے غایت محبت و اخلاص سے سفر کر کے پشاور سے آئے۔ دن میں ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ ہمارے معظم و مکرم مولانا سید سلیمان ندوی کے مرید خاص و مسترشد با اختصاص ہیں اور ان کے صوفیانہ معارف کے شاید سب سے بڑے حامل۔ تبلیغی جماعت کے بھی سرگرم رکن ہیں۔ یورپ تک کا سفر اسی سلسلہ میں کر چکے ہیں۔ حالانکہ بیچارے پیروں سے کچھ معذور سے ہیں۔ حسب توقع تواضع و فروتنی مجسم نظر آئے۔ مزید گفتگو و ملاقات کی ان سے حسرت ہی باقی رہ گئی......''

(سیاحت ماجدی صفحہ۔۲۸۸)

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کی حیات، خدمات وافکار

(ڈاکٹر محمد نعمان خادم وخلیفہ مجاز حضرت مولانا صاحب)

ملت اسلامیہ کا ماضی مصلحین اُمت اور اولیاء کرام کے تذکروں سے معمور ہے۔ تاریخ کے صفحات میں ان کارناموں اور مجاہدات کا ہر ہر گوشہ پوری تحقیق کے ساتھ مذکور ہے۔ ان پاک باطن بزرگوں نے اُمت کی روحانی، اخلاقی اور عملی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی اور اپنی ساری زندگی اس خدمت میں گزار کر لاکھوں تشنگان سلوک ومعرفت کو سیراب کیا۔ مگر بعض نفوس قدسیہ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے دُنیاوی اور دینی زندگی کے ہر ہر گوشے اور اجتماعی سیاسی، ملکی، معاشرتی اور معاشی وغیرہ حیات انسانی کے ہر ہر مرحلے میں پیش آمدہ مصائب ومشکلات کے مقابلےاور مجاہدہ میں زندگیاں جاںنثاری اور بےجگری کے ساتھ وقف کر دیں۔ اور اپنے اخلاص و للّٰھیت اور مثالی ایثار وقربانی سے قوم وملت کی رہنمائی فرمائی۔ یہی وہ عظیم ہستیاں ہیں جو نیابت انبیاء کے منصب کا حق ادا کرتی ہیں۔ اور یہی وہ قدسی صفت شخصیتیں ہیں جو مر کر بھی زندہ جاوید رہتی ہیں۔

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

یہی نہیں بلکہ ان کے پیغامات اور ارشادات زمان ومکان کی حدود کو عبور

کر کے قیامت تک منارہ نور ثابت ہوتے ہیں اور ان کی مثالی زندگیاں ہر زمانے میں وقت کے اندھیروں کے مقابلے میں ہدایت و رہنمائی کا چراغ جلائے رکھتی ہیں۔

پروفیسر حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ انہی نابغۂ روزگار اور فقید المثال اکابر اولیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مُشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ولادت با سعادت: حضرت مولانا محمد اشرف خان مرحومؒ 13 شوال 1343ھ بمطابق 6 مئی 1925ء بروز جمعرات محلّہ مقرب خان پشاور شہر میں پیدا ہوئے۔

حسب ونسب: آپ کے والد ماجد محمد اکبر خان بن سکندر علی خان بن سعادت خان بن سعید خان بن نور خان نسلاً پٹھان تھے۔اور پشاور شہر کے مضافات میں مشہور ومعروف صوفی شاعر رحمان باباؒ کے گاؤں بہادر کلے کے قریب بڈھ بیر شیخ محمدی کے رہنے والے تھے۔آپ کے والد بزرگوار صوم وصلوۃ کے پابند متشرع اور اسلامی شعار واقدار کے گرویدہ تھے۔گو عالم نہ تھے لیکن علمائے حق سے قریبی روابط رکھتے تھے۔فارسی ادب کا ذوق تھا۔فارسی، اُردو کے کتب کا مطالعہ فرماتے تھے۔کیمیائے سعادت ہمیشہ زیر نظر رہی۔فقیر منش اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔

طب وحکمت سے بھی شغف رہا۔آپ کے والد بزرگوار قالینوں کی تجارت کرتے تھے۔اس لئے شیخ محمدی سے پشاور شہر منتقل ہوئے اور محلّہ مقرب خان میں سکونت اختیار کی۔حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ یہیں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد بزرگوار کا تجارتی کاروبار کافی وسیع تھا۔شملہ، دہلی، دارجیلنگ وغیرہ میں دُکانیں تھیں۔آپ کے والد بزرگوار تجارت کے سلسلے میں اکثر وقت دہلی اور شملہ میں گزارتے تھے۔ 1907ء سے شملہ جانے کا دستور تھا۔ اور وہیں جائیداد بنالی اور 29 رمضان المبارک 1390ھ بمطابق 21 اکتوبر 1941ء کو شملہ ہی میں وفات پائی اور وہیں سپردخاک ہوئے۔

والدہ محترمہ: آپ کی والدہ محترمہ دینی معلومات کی حامل نیکی و پارسائی کا نمونہ، اذکار و اشغال و تلاوت کی پابند اور سخی و غریب پرور تھیں۔اُنہوں نے ترجمہ قرآن اور اُردو، فارسی میں متداول تفاسیر اور احادیث و فقہ و سیرت کی متعدد کتابیں اپنے خالہ زاد بھائی مولوی حکیم غلام سرور صاحب سے پڑھی تھیں۔ اُن کا وصال 1980ء میں اس وقت ہوا۔ جب حضرت مولانا صاحب مرحوم فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے۔

بچپن: انسان ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ ماں کی گود، گھر، مکتب و معاشرہ انسان کو بنالیتا ہے یا بگاڑ لیتا ہے۔ یہی وہ حقیقت کبریٰ ہے جس کی طرف اشارہ،

حقائق کے سب سے بڑے نقاب کُشا نبی الأنبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے ان الفاظ سے فرمایا۔

﴿مامن مولود الا یولدعلی الفطرة فابواہ یہودا نہ او ینصرا نہ اویمجسا نہ﴾۔

ترجمہ: کوئی بچہ ایسا نہیں ہوتا جو فطرت (دین توحید) پر پیدا نہ ہو لیکن ماں باپ اُسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ والدین کے دینی میلانات اور ان کی اسلامی تربیت کا اثر تھا کہ بچپن ہی سے حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی کی دین سے محبت وشغف بڑھی۔

حضرت مولانا صاحب کے بچپن کے دوست امان اللہ صاحب مرحوم کے ہاں 1984ء میں حج کے سفر پر جاتے ہوئے کراچی میں ٹھہرے تھے۔ انھوں نے ہمیں حضرت مولانا صاحب کے بچپن کے واقعات سُناتے ہوئے فرمایا کہ ''مولانا صاحب بچپن ہی سے مولانا مشہور تھے۔ جب کبھی والد محترم ان کو تلاش کرتے تو ہم سے کہتے کہ اس مولوی کو بلاؤ کسی مسجد میں بیٹھا ہوگا۔ آپ بچپن ہی سے محبتِ دین سے سرشار تھے۔''

ابتدائی تعلیم: حضرت مولانا صاحب مرحوم نے ناظرہ قرآن کریم اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا اور ابتدائی فارسی اپنے والد محترم سے پڑھی۔

پرائمری سکول قرول باغ دہلی سے چوتھی جماعت پاس کی اور وظیفہ کے امتحان میں سکول کی طرف سے انعام پا کر وظیفہ کے حقدار بنے۔

1935ء میں پانچویں جماعت میں اوّل آ کر اسلامیہ کالج شملہ میں قائداعظم کے ہاتھوں انعام حاصل کیا۔ آٹھویں جماعت پرائیوٹ طالب علم کی حیثیت سے ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ پنجاب سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کی۔

ثانوی تعلیم: مڈل پاس کرنے کے بعد اسلامیہ سکول پشاور شہر (جو موجودہ گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر 3 پشاور شہر ہے) میں نویں جماعت میں داخلہ لیا اور 1940ء میں میٹرک کا امتحان اسی سکول سے پوزیشن حاصل کر کے پاس کیا۔ اور آپ کا نام بورڈ آف آنرز پر لکھا گیا۔

اعلیٰ تعلیم: 1941ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے پرائیوٹ اُمیدوار کی حیثیت سے ادیب فاضل کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ اور 1945ء میں اسی یونیورسٹی سے .B.A کا امتحان بھی پاس کیا۔ .B.A میں انگریزی کے علاوہ دوسرے مضامین سیاسیات اور فارسی تھے۔

1952ء میں آپ نے باقاعدہ .M.A عربی میں شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اور 1954ء میں ایم۔ اے عربی میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی اور اسی سال اسلامیہ کالج پشاور میں بطور عربی کے لیکچرار مقرر ہوئے۔

سیاسی خدمات: حضرت مولانا صاحب مذہبی رُجحانات کے ساتھ ساتھ وقت کی سیاست سے بھی لاتعلق نہیں رہے اور اس میدان میں بھی فعال کردار کا مظاہرہ کیا۔ آپ ایک حریت پسند، ملتِ اسلامیہ کے شیدائی اور محبِّ وطن اور باطل کو پاش پاش کرنے والے مجاہد تھے۔ آپ نے تحریک آزادی میں پاکستان مسلم لیگ میں شمولیت کی اور اپنی ولولہ انگیز تقریروں اور اخلاص و محبت اور عظیم قربانیوں کی بدولت مسلم لیگ پشاور کے سیکریٹری جنرل مقرر ہوئے۔ اور قیام پاکستان تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ 1947ء میں جب قائد اعظم پشاور تشریف لائے۔ تو آپ ہی نے اُنہیں ہار پہنائے اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے تھے۔ انگریزوں کی پابندیوں کے باوجود آپ جلسے جلوس کی قیادت فرماتے رہے۔ اپنے گھر سے ریڈیو پاکستان کی خبریں نشر کرتے تھے اور اس کے لئے ایک ریڈیو ٹرانسمیٹر اپنے گھر میں بنایا تھا۔ کئی مرتبہ انگریز اہل کاروں نے گھر پر چھاپہ مارا تلاشی لی گئی لیکن حضرت مولانا صاحب کے حسن تدبیر کی وجہ سے ناکام ہوئے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ صبح سویرے پولیس نے گھر پر چھاپہ مارا تو میری ہمشیرہ نے فوراً ریڈیو ٹرانسمیٹر ایک ٹوکرے میں ڈال کر اس پر کپڑا اور تھوڑے سے کاغذات و مٹی ڈالی اور یہ تاثر دیا کہ نوکرانی گندگی کی ٹوکری لے جا کر باہر پھینک رہی ہے۔ باہر نکلی اور اس طرح ریڈیو ٹرانسمیٹر محفوظ ہوگیا۔

آپ جاہ و منصب کے دلدادہ نہیں تھے۔ جب پاکستان بنا تو آپ کو پشاور کی متروکہ املاک کے کسٹوڈین کا چارج دیا گیا۔ لیکن چند ماہ بعد استعفیٰ دے دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دُنیا چاہتا تو آدھا صدر بازار میرا ہوتا لیکن میں اپنی خدمت کا صلہ دُنیا میں نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسی طرح پھر آپ کو چاندی کا تمغہ اعزاز میں دے رہے تھے۔ آپ نے لینے سے انکار فرمایا اور فرمایا کہ میں نے پاکستان بنانے میں اللہ کے دین کی خاطر کوشش کی تھی چاندی کا تمغہ حاصل کرنے کے لئے نہیں کی تھی۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

وہ دستور العمل جو دل سے پردے اٹھاتا ہے اس کے چند اجزا ہیں۔ ایک تو کتابیں دیکھنا۔ دوسر مسائل دریافت کرتے رہنا۔ تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا۔ اگر ان کی خدمت میں آمد و رفت نہ ہو سکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات و ملفوظات ہی کا مطالعہ کر لیا کرو یا سن لیا کرو۔ اور اگر تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کر لیا کرو تو یہ اصلاح قلب میں بہت معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ کے لیے نکال لو جس میں اپنے نفس سے اس طرح باتین کرو کہ ''اے نفس ایک دن دنیا سے جانا ہے۔ موت بھی آنے والی ہے۔ اس وقت یہ سب مال و دولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے۔ اور خدا تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا۔ اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ نہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لیے کچھ سامان کر۔ یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے اس کو فضول رائیگاں مت برباد کر۔ مرنے کے بعد تو اس کی تمنا کرے گا کہ کاش میں کچھ نیک عمل کر لوں جس سے مغفرت ہو جائے۔ مگر اس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہو گی۔ پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کر لے۔'' (القول العزیز)

قنوت نازلہ

درج ذیل دعا کو قنوت نازلہ کہتے ہیں۔ یہ دعا چند صحابہ کرام کی کفار کے ہاتھوں دغابازی سے شہادت پر ان کفار کی تباہی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں پڑھی ہے۔ اگر امام اس دعا کو پڑھنا چاہے تو نماز فجر کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد کھڑے ہو کر بآواز بلند پڑھے اور مقتدی دل میں آمین کہیں۔ خصوصی حالات میں نماز مغرب کی تیسری رکعت اور نماز عشاء کی چوتھی رکعت میں رکوع کے بعد بھی امام یہ دعا پڑھ سکتا ہے۔ اگر یہ سہولت میسر نہ ہو تو انفرادی طور پر وتروں میں دعائے قنوت کے بعد یہ دعا پڑھی جاسکتی ہے۔ اگر دعا یاد نہ ہو اور وتروں میں پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو ہر شخص لکھی ہوئی تحریر سے ہر نماز کے بعد یا کم از کم کسی ایک نماز کے بعد پڑھ لیا کرے تاکہ ساری دنیا کے مجاہدین اور خاص طور سے عراق کے مجاہدین کے ساتھ یکجہتی کا اظہار ہو اور کفار کے خلاف اگر عملی جہاد میں شمولیت اختیار نہیں کی جاسکتی تو کم از کم دعا کی قوت سے تو جہاد ہو جائے گا۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ ،وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَ تَوَلَّنَافِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ،وَ بَارِكْ لَنَا فِيْمَااَعْطَيْتَ،وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَ لَا يُقْضٰى عَلَيْكَ ،اِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ.

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ،وَ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ، وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ.

اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ، وَ يُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَائَكَ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ، وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ، وَانْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِيْ لَا يُرَدُّ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ.